زندانی ادب کے مفاہیم ور جحانات......تجزیاتی مطالعہ

نورین رضوی
محمد شوکت علی

Abstract:

Literature is the mirror of the outward and inward society. When there is an atmosphere of restriction in society, people do not have the freedom to live as they wish. The literature created in this atmosphere describes all the oppressors and restrictions that took place in this era. Prisoner literature is a type of literature. Although it has not yet found the place and status in literature have. Notable aspects of prisoner literature include the historical aspect, the social and cultural aspect, and psychological aspect. Concept of crime and punishment begin with the start of human life on earth. Sometimes innocent people should also imprison. Hazrat Yousaf was innocent but remained in prison .Our Holy prophet Hazrat Muhammad (PBUH) remained in Shab-e-Abi Talib for three years. In Karbala after the shahadat of Hazrat Imam Hussain his four years old youngest daughter lost her life in prison. Imam Abu Hanifa, Imam Tamia should face hardships in prison. Imam Hanbal also faces troubles and hardships in jail. Imam Mousa Kazim spends fourteen years in prison in regimen of Haroon Rasheed. There are many countless examples in human history when those who raised the voice of truth were hanged. But the voice of truth could not be pressed by anyone.

’زندانی ادب‘ زنداں میں تحریر کیے جانے والے ادب کو کہتے ہیں۔متعلقات زنداں کے بارے میں تخلیق کیا جانے والا ادب بھی زندانی ادب کہلاتا ہے۔زندانی ادب کے مفہوم کے بارے میں بات کرنے سے پہلے ادب کے بارے میں بحث کرنا ضروری ہے کہ ادب کیا ہے؟ لفظوں کے ذریعے جذبے،احساس یا خیال کے اظہار کو ادب

کہتے ہیں۔ادب عربی زبان کا لفظ ہے۔فروغ اسلام کے ابتدائی زمانے میں ادب کو تعلیم کے معنی میں استعمال کیا گیا۔انسان کے نازک ترین احساسات کو دوسرے لوگوں تک پہنچانے میں ادب اہم رول ادا کرتا ہے۔ادب کا اساسی تعلق سماج ومعاشرہ کے ساتھ ہوتا ہے۔تمام اہلِ ادب کے ادب کے بارے میں اپنے اپنے نقطہ نظر ہیں اور انھوں نے ادب کی تعریفیں بھی اپنے اپنے نقطہ نظر سے بیان کی ہیں۔تمام مفکرین ادب کی کسی ایسی تعریف پر متفق نہیں جسے ادب کی جامع تعریف قرار دیا جاسکے۔ادب زندگی کا اظہار ہے،معاشرے کے ظاہر و باطن کا آئینہ ہے۔جو کچھ معاشرے میں ہورہا ہے ادب میں اس کی عکاسی ہوتی ہے۔ادب کا کام زندگی کو آگے بڑھانا ہے اور یہی ادب اور معاشرے کا گہرا بنیادی رشتہ ہے۔اسی رشتے سے حب الوطنی کا جذبہ بیدار ہوتا ہے اور ادیب اور مملکت کے مابین مثبت رشتہ استوار ہوتا ہیاور ادیب معاشرہ وسماج کے ضمیر کی آواز بن جاتا ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی ادب کی تعریف کچھ یوں کرتے ہیں:''ادب تنقیدِ حیات ہے اور زندگی کے گہرے پانیوں میں ڈوب کر سراغِ زندگی پانے کا نام ہے۔''[۱]

ادیب زندگی کے حقائق،تجربات اور سچائیوں کے تمام پہلو ادب میں اجاگر کرتا ہے۔ادب کے ذریعے جب دوسروں کے بے شمار چھوٹے بڑے تجربے ہمارے شعور و ادراک کا حصہ بنتے ہیں تو نہ صرف ہمارا تزکیہ (کتھارسس) ہوجاتا ہے بلکہ یہ زندگی کو متوازن بھی رکھتا ہے۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری زندگی اور ادب کے تعلق کو بیان کرتے ہیں:

> ''زندگی اور ادب دونوں ہی میں ہمیں مختلف شکلیں،مختلف صورتیں اور ہیئتیں نظر آتی ہیں۔ہر صورت اور ہیئت کی تخلیق چاہے وہ زندگی میں ہو یا ادب میں تنظیمی وتخلیقی دونوں اصولوں کے اختلاط اور ان کی مکمل ہم آہنگی کا نتیجہ ہوتی ہے۔یوں سمجھ لیجیے کہ تنظیمی وتخلیقی اصولوں کا رشتہ مرد اور عورت کا رشتہ ہے۔اور زندگی اور ادب دونوں میں ہر نئی صورت اور ہر نئی ہئیت ان دو اصولوں کے اختلاط کا نتیجہ ہے۔''[۲]

ادب تفسیرِ زندگی بھی ہے اور تصویرِ زندگی بھی۔ادیب ان دونوں کی ادب میں عکاسی کرتا ہے اور ادیب کی نظر میں ان دونوں کی مساوی حیثیت ہوتی ہے۔ادب کی تعریف بقول نورالحسن ہاشمی:

> ''ادب وہ سخن ہائے گفتنی یا شنیدنی ہیں جو اپنی موضوع کی جدت اور(یا)حسن بیان کی چمک کے باعث لائق کشش۔یا ادب نام ہے کسی حقیقت کے حسین ترین اظہار کا۔ادب چمکتا ہوا سورج ہے جس میں حرارت اور چمک دونوں ہونا ضروری ہیں۔بعض اوقات لوگ محض چمک ہی سے مسحور ہوجاتے ہیں لیکن سچا اور پائیدار ادب وہی ہے جس میں حرارت بھی ہو۔ورنہ خالی چمک دمک چاند کی روشنی کی طرح محض خالی اور شرارہ کی چمک کی طرح وقتی ہے۔حرارت کا تعلق ادیب کے

دل ودماغ سے ہوتا ہے۔ چنک یا حسن کا تعلق اس کے فن سے۔''۳

مختلف مکتبہ ہائے فکر کے ادیبوں نے ادب کی تعریف اپنے اپنے انداز میں کی ہے اور ان کی بیان کردہ تعریفیں ان کے نقطہ نظر کی عکاس ہیں۔لیکن ادب کے مطالعہ کے لئے ضروری ہے کہ سب کی متفقہ رائے سے ادب کی کوئی جامع تعریف متعین کی جائے کیوں کہ یہ ادب کے مطالعہ کے لئے بہت ضروری ہے۔ادب سے زندگی کا ناتا جوڑنے والے آج اکثریت میں ہیں اور ان کے نقطہ نگاہ کو آہستہ آہستہ سبھی مانتے جارہے ہیں۔یہ ادب کو زندگی کا پرتو سمجھتے ہیں اس لیے ان کا خیال ہے کہ آج زندگی میں جو تنوع اور رنگا رنگی ہے ادب میں وہی تنوع اور رنگا رنگی پائی جانی چاہیے ان کے نزدیک ادب کی کسوٹی خود زندگی ہے۔زندگی کے تمام گوشے ادب کا موضوع ہیں اس لیے ہر چھوٹے بڑے پہلو کو ادب میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ادب اپنے ماحول، اپنے عہد، اپنے سماج کا پروردہ ہوتا ہے۔اس لیے ادب کی تخلیق میں ماحول کا اثر، عصری تقاضے، سماج کی شعوری سطح اور بنی نوع انسان کے تمام تجربات کسی نہ کسی شکل میں شامل ہوتے ہیں۔ادب کا موضوع خود انسان اور کائنات ہے۔ادب کا تعلق ادبی صداقت سے ہے اور انسانی جذبات کا اظہار ادب کا مقصد ہے۔مجنوں گورکھپوری لکھتے ہیں:

''ادب انسان کے جذبات وخیالات کا ترجمان ہے اور انسان کے جذبات وخیالات تابع ہوتے ہیں زمانے اور ماحول کے۔جیسا دور اور جیسی معاشرت ہوگی ایسے ہی جذبات وخیالات ہوں گے اور پھر ویسا ہی ادب ہوگا۔''۴

ادیب یا فن کار چونکہ سماج کا، معاشرے کا حصہ ہوتا ہے اس لیے وہ زندگی کے شیریں و تلخ تجربات کی روشنی میں ادب تخلیق کرتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ادب کو سماج، معاشرے اور زندگی کا نباض کہا جاتا ہے۔ادیب اس سماج کا ایک اہم فرد ہونے کی وجہ سے ان اقدار سے متاثر ضرور ہوتا ہے اور سماج کی اقدار ادیب پر اور اس کے تخلیق کردہ ادب پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ادیبوں نے ہمیشہ اپنے عہد کی اجتماعی زندگی کی نہج متعین کرنے کا کام انجام دیا ہے۔یہ دوسری بات ہے کہ خود ادب کی نہج اور اس کی رفتار، اجتماعی زندگی سے متعین ہوتی ہے۔ادیب ذہنی انقلاب کا ہراول دستہ ہوتے ہیں اور سماجی ہیئت کی تبدیلی سے نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف قوموں کی تاریخ اس کی شاہد ہے کہ عوامی بیداری اور شعور کی تربیت میں اس قوم کے اور اس عہد کے ادب کا بڑا اہم رول رہا ہے۔جب معاشرے میں حبس کی فضا قائم ہو لوگوں کو اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کی آزادی نہ ہو تو ایسی حبسیہ فضا میں ادیب و فنکار جو ادب تخلیق کرتے ہیں وہ لازوال اور شاہکار بن کر سامنے آتا ہے۔کیوں کہ یہ ادب اس عہد میں ہونے والے تمام مظالم، جبر اور پابندیوں کو بیان کرتا ہے۔قاموس مترادفات میں حبس کے معنی بتائے گئے ہیں: قید، بند، روک، گھٹن، انقباض، امس، گھمس، عکہ۔۵ جبکہ نورالغات (اول) میں حبس کے معنی لکھے ہیں: بند، قید، قید خانہ، گھٹا، انقباض، امس۔۶

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ معاشرے میں اگر حبس کی فضا ہوگی تو ادیب یا شاعر اس کو ضرور بیان کرے گا۔اور اگر حبسیہ فضا عالمی تناظر میں چھائی ہو تو وہ بھی ادیبوں کے قلم کی ذریعے صفحہ قرطاس پر منتقل ہو جاتی ہے۔ادیبوں نے عالمی ادب کی تاریخ میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ادب اپنے سماج کا،اپنے دور کا اور اپنے عہد کا سب سے سچا عکاس ہوتا ہے۔حبسیہ نثر کے بارے میں مسز صائمہ علی لکھتی ہیں:

''حبسیہ نثر سے مراد وہ تحریر ہے جو قید میں رہ کر یا بعد میں قید سے متعلق لکھی گئی ہو اور جن کا انداز شخصی ہو۔قید میں رہ کر غیر شخصی تحریر حبسیہ نثر کی ذیل میں نہیں آتی۔حبسیہ نثر کے لیے کسی مخصوص صنف کی قید نہیں۔اس کے نمونے آپ بیتی،خطوط،رپورتاژ،سوانح عمری،سفر نامہ،انٹرویو کی صورت میں ملتے ہیں۔''۷

ادب اپنے سماج کے ڈھانچے اور اس میں موجود انسانی رشتوں،اپنی سماجی اقدار اور مجموعی طور پر سماجی زندگی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔بلکہ کسی حد تک ان کی تعمیر،ان کے بننے اور بگڑنے میں بھی حصہ دار ہوتا ہے۔اگر معاشرے میں حبس اور گھٹن کی فضا ہوگی تو اس کی جھلک ادب میں ضرور منعکس ہوگی۔ڈلٹن مرے نے ایک مقام پر ادبی فنکار کے تخلیقی تجربات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''فن کار ایک عام انسان سے زیادہ ذکی الحس ہوتا ہے۔اس لیے زندگی میں جو حالات وواقعات پیش آتے ہیں ان کا اس پر بہت گہرا اور دیرپا اثر ہوتا ہے۔یہ تاثرات جمع ہوتے رہتے ہیں جن کے باہمی فعل وانفعال یا کسر وانکسار سے فن کار کے ایک مرتب،متوازن جذباتی نظام حیات کی تشکیل ہوتی ہے۔یہی چیز ہے جسے ہم تعمیری احساس کہتے ہیں۔یہ سادہ اور سیدھے قسم کے فن کار ہوتے ہیں جو بقول ڈلٹن مرے ہر سادہ واقعے سے براہِ راست متاثر ہوتے ہیں۔ان کے یہاں تاثرات کا اجتماع ہونے نہیں پاتا۔ان کا ہر تاثر اپنی جگہ مستقل اور منفرد ہوتا ہے۔جس کی وجہ ان کے ذہن کی کارگاہ میں فعل وانفعال کی نوبت نہیں آتی۔''۸

مارکس نے جب یہ کہا تھا کہ 'اپنے ماحول کے ساتھ میرا تعلق ہی میرا شعور ہے' تو اس کا مقصد یہ نہ تھا کہ شعور ماحول کی پیداوار ہوتا ہے۔وہ شعور اور ماحول کے تعلق پر زور دینا چاہتا تھا۔ماحول سے وابستگی اس کے پیشِ نظر تھی اور اس زمانہ کی تخیل پرستی کو دیکھتے ہوئے ماحول پر زور دینا کچھ بے جا بھی نہ تھا۔ٹراسکی نے اپنی مشہور کتاب ادب اور انقلاب میں ادیب کا اپنے ماحول سے تعلق بتاتے ہوئے لکھا تھا:

''فنی تخلیق فن سے باہر وجود میں آنے والے جدید محرکات کے زیر اثر قدیم ہستیوں کو پیچیدہ انداز سے الٹ کر کام لینے کا نام ہے۔اس لحاظ سے فن کی حیثیت ایک خادم کی سی ہے،یہ کوئی ایسا

منقطع عضو نہیں جو خود اپنے کو کاٹ کاٹ کر کھائے۔ یہ ایک متمدن انسان کا عمل ہے جو اپنی زندگی اور ماحول سے غیر منقطع طور پر وابستہ ہے۔''۹

ایک متمدن انسان کی ماحول سے وابستگی اس قسم کی نہیں ہوسکتی جس قسم کی وابستگی ایک غیر متمدن انسان کی اپنے ماحول سے ہوسکتی ہے۔انسان کبھی ماحول کی پیداوار تھا آج اس کا خالق ہے۔ یہ درجہ اسے کافی جدوجہد کے بعد حاصل ہوا ہے۔ادب کا کوئی خاص موضوع نہیں،ادب زندگی کا رفیق ہے اس میں زندگی کی سی وسعت ہے۔کسی ایک طبقے کے لحاظ سے وہ کتنا بڑا ہی کیوں نہ ہو،کسی ایک موضوع کے ساتھ ادب کو مخصوص کر لینا ادب کی بلند فطرت کے خلاف ہے۔اختر انصاری ادب کی خصوصیات بیان کرتے ہیں:

''ادب میں لازمی طور پر دو خصوصیتیں پائی جانی چاہیئں۔اول تو یہ کہ وہ اپنے دور کی اجتماعی زندگی سے ایک گہرا اور براہِ راست تعلق رکھتا ہو۔دوسرے یہ کہ اس کی تخلیق ایک مخصوص اور واضح سماجی مقصد کے ماتحت عمل میں آئے۔پہلی خصوصیت میں دوسری خصوصیت شامل نہیں ہے کیوں کہ ایسا ادب تصور میں آسکتا ہے جو اجتماعی زندگی سے براہ راست تعلق رکھتے ہوئے بھی کوئی مخصوص سماجی مقصد حاصل نہ کرے۔''۱۰

حسنِ خیال اور حسنِ بیان کے لحاظ سے ادب کی کئی اقسام ہیں۔رومانوی ادب،انانیتی ادب،عمرانی ادب، تانیثی ادب،احتجاجی ادب،زندانی ادب۔زندانی ادب بھی ادب کی ایک قسم ہے۔اگر چہ اسے ادب میں وہ مقام اور مرتبہ ابھی تک نہیں مل سکا۔جو ادب کی دیگر اقسام کو حاصل ہے۔ادب کو سمجھنے سے قبل زندانکے مفہوم کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔زندان فارسی زبان کا لفظ ہے۔زندان کے معنی قید خانہ یا جیل کے ہیں۔زندان میں یائے نسبتی لگانے سے اس کے معنی جیل یا قید کے ہو جاتے ہیں۔یعنی زندانی کا مطلب زنداں سے تعلق رکھنے والی چیزیں اور زندانی کے معنی قیدی کے بھی ہوتے ہیں۔فرہنگ آصفیہ میں زندان کے معنی یہ بتائے گئے ہیں:قید خانہ،بندی خانہ،جیل خانہ،مجلس۔۱۱ جبکہ فیروز اللغات میں زندان کے معنی یہ بتائے گئے ہیں:قید خانہ،بندی خانہ۔۱۲ اور جامع فارسی لغت کے مطابق زندان کے معنی:قید خانہ۱۳ بتائے گئے۔زندان کو انگریزی میں جیل کہتے ہیں۔آرنلڈ ارکسن نے زندان کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"Prison has been a fertile setting for artists, musicians, and writers alike. Prisoners have produced hundreds of works that have encompassed a wide range of literature."14

انسائیکلوپیڈیا بریٹینکا میں لفظ زندان کی وضاحت کچھ یوں کی گئی ہے:

"Zindan: (EncyclopaediaBritanica)

> Prison: Zindan...... prisonis a traditional central Asian prison. In the Khanate, the prison uses typically underground .thus a zindan is closely affiliated with a dungeon."15

'زندان' وسطی ایشیا کے ایک روایتی قید خانہ کو کہتے ہیں۔'خانت' مشرق میں خانوں کی حکومت کو کہا جاتا ہے۔انہوں نے زیر زمین قید خانے بنا رکھے تھے۔ان قید خانوں کو زندانکہا جاتا تھا۔اور اصطلاحی معنوں میں (Dungeon) کہاجاتا ہے۔

> "A dungeon is a room or cell in which prisoners are held, especially underground. Dungeon are generally associated with medivalcastles, through their association with torcher probably long to the Renaissance period."16

زندانی ادب کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ایک وہ ادب جو زنداں سے نسبت رکھنے والی چیزوں سے متعلق ہو۔دوسرا وہ ادب جس کی تخلیق زنداں میں رہ کر کی گئی ہو۔یہ دونوں مطالب زندانی ادب میں شامل ہیں۔آزادی اور حریت کا جذبہ بنی نوع انسان کا فطری جذبہ ہے اس کے برعکس حکمران طبقہ عوام کی آزادی اور خود مختاری غصب کر لینا اپنا حق تصور کرتا ہے۔اسی کش مکش کی بدولت قید و بند،طوق و سلاسل کا سلسلہ جاری ہے۔زنداں کا تعلق ریاست سے ہوتا ہے اور ظلم و جبر کے خلاف آواز اٹھانے والوں کو ریاستی مجرم قرار دے کر زنداں میں قید کر دیا جاتا ہے۔ان قیدیوں میں شاعر اور ادیب بھی شامل ہوتے ہیں۔وہ اپنی اسیری کی داستان تخلیق کر کے زندانی ادب کو معرضِ وجود میں لاتے ہیں۔جب سے زنداں کا وجود ہے زندانی ادب کا وجود بھی تب سے ہی ہے۔زندانی ادب کے عام مفہوم میں بڑی وسعت ہے وہ تمام ادب پارے اس میں شامل ہیں جن کی تخلیق جبر و تشدد، خوف و دہشت حبس،زباں بندی،ایمرجنسی،مارشل لاء اور عام پابندیوں کے زیر اثر ہوئی ہے۔زندانی ادب کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ وہ ادب جس کی تخلیق پسِ دیوارِ زنداں ہوئی ہو اور اس میں زندانی آہنگ اور لہجہ بھی پایا جاتا ہو۔زندانی ادب کو حبسیاتی ادب بھی کہا جاتا ہے۔

زندانی ادب کی تخلیق غیر معمولی حالات میں ہوتی ہے۔کیوں کہ عام طور پر تو زنداں اور اس کی پابندیاں خارجی تبدیلیاں ہیں لیکن ان کا تاثر صرف خارجی نہیں ہوتا بلکہ داخلی بھی ہوتا ہے۔یہ خارجی تبدیلیاں دنیا میں ہلچل مچا دیتی ہیں۔انسان کی بے بسی،مجبوری،لاچاری اور تنہائی بڑھ جاتی ہے۔نفسیاتی عوامل اور ان کی کارفرمائی میں تبدیلی آ جاتی ہے۔زندانی ادب اور سماج کا تعلق مستحکم ہونے کی وجہ سے وہی ادیب داخل زنداں کیا جائے گا۔جس کا معاشرہ اور سماج سے گہرا اور مضبوط رشتہ ہوگا۔زندانی ادیبوں کی حساسیت اور فعالیت معاشرے کے حوالے سے بہت وسیع اور گہری ہونے کی وجہ سے زندانی ادیبوں کا سماجی شعور پختہ ہوتا ہے۔ان کی تحریروں میں احتجاج اور

مزاحمت کی فضا نمایاں ہونے کی وجہ سے حکومتِ وقت ان کو قید وبند کی سزا دیتی ہے۔زندانی ادیب کا سماج سے رشتہ کسی نہ کسی صورت میں ضرور قائم رہتا ہے۔ڈاکٹر شوکت سبزواری رقم طراز ہیں:

''زندگی کے ارتقا کی جھلک ادب میں منعکس ہونی چاہیے۔اکثر ادیب کہتے ہیں کہ ارتقا رجعت پسندانہ نظریہ ہے۔ہم انقلاب کے ماننے والے ہیں۔لیکن وہ ارتقا اور انقلاب کے مابین جو نازک فرق ہے اس کا ذکر بھی ذرا کم کرتے ہیں۔عام طور پر ارتقا اور انقلاب میں فرق مدت کی کمی بیشی سے کیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ جس تبدیلی میں وقت کم لگے وہ انقلاب ہے اور جس میں زیادہ وقت لگے وہ ارتقا ہے۔یہ غلط ہے مدت کی کمی بیشی کوئی معیار نہیں۔خود ارتقا کی صورت میں کہیں زیادہ وقت لگتا ہے اور کہیں کم۔ارتقا اور انقلاب دونوں کی حیثیت تبدیلی ہے۔تغیر ایک ایسا عنصر ہے جو دونوں میں مشترک ہے۔لیکن ارتقا میں تغیر آہستہ آہستہ اور بتدریج ہوتا ہے اور انقلاب میں یک بیک اور دفعتاً۔ارتقا کی صورت میں بدلنے والی چیز کے درمیان مدارج بھی ہوتے ہیں۔انقلاب میں ان درمیانی مدارج کی گنجائش نہیں۔زندگی میں ارتقا ہے آج تک انقلاب دیکھا نہیں گیا۔''[۷]

ایک تحریر کو ادب بننے کے لئے جن جن خصوصیات اور فنی لوزمات کی ضرورت ہوتی ہے وہی ضرورتیں زندانی نگارشات کو زندانی ادب بنانے کے لئے بھی درکار ہوتی ہیں۔اس لئے کہ زندانی ادب بھی عام ادب کا حصہ ہے۔عام طور پر زندانی ادب کا ایک خاص اسلوب نگارش ہوتا ہے،لب ولہجہ اور مزاج کے اعتبار سے بھی یہ عام ادب سے منفرد ہوتا ہے۔زندانی ادب میں احتجاجی ومزاحمتی رویوں کا اظہار بڑی بے باکی سے ہوتا ہے اور احتجاجی آہنگ کی لے کبھی کبھی اتنی بلند ہو جاتی ہے کہ بغاوت کی سرحد سے جا ملتی ہے۔زندانی ادب میں بالعموم ادیب کی ذات اور اس کے داخلی وقلبی جذبات اور احساسات کا اظہار ہوتا ہے۔قید میں چونکہ انسان کا خارجی دنیا سے رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔اس لیے ہمہ وقت اپنے دل کی دنیا میں مگن رہتا ہے۔زنداں میں انسان کے تخیل اور احساس کے جذبات بہت تیز اور حساس ہو جاتے ہیں۔جب اس خاص ماحول وفضا میں ادب کی تخلیق ہوگی تو ظاہر ہے کہ ادیب کی ذات اور اس کی شخصیت کا اظہار اس کی تحریروں میں بکثرت ہوگا۔زندانی ادب میں انفرادی شعور کے ساتھ ساتھ اجتماعی شعور کی بھی ترجمانی ہوتی ہے مثلاً رنگون اور انڈمان نکوبار جیسے دور دراز علاقوں کی جغرافیائی،سماجی وسیاسی حالات کی ترجمانی زندانی ادب میں کی گئی ہے۔

جنگِ آزادی کے مجاہد مولانا جعفر تھانیسر کی زندانی تصنیف 'کالا پانی' میں جزیرہ انڈمان ونکوبار کی سیاسی، سماجی، معاشی اور جغرافیائی حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اس طرح واجد علی شاہ کے زندانی کلام سے کلکتہ شہر کی سیاسی وسماجی حالات سے آگاہی حاصل ہوئی ہے۔زنداں میں چونکہ ادیب یا شاعر کو فرصت میسر ہوتی ہے وقت گذاری اور

قیدِتنہائی سے نجات پانے کے لیے زندانی ادیبوں نے مفصل اور طویل ترین عبارتیں لکھیں ہیں۔ طوالت، تفصیل، جزئیات نگاری اور غیر اہم کا تذکرہ زندانی ادب میں بکثرت ہوا ہے۔ زنداں میں لکھے گئے خطوط اور تاثراتی ومشاہداتی قسم کی تحریریں اس کی عمدہ مثال ہیں۔ مثلاً فیض نے ایک خط میں لکھا ہے کہ بلی نے بچے دیے، مولانا آزاد کا چڑی چڑا کی کہانی بیان کرنا۔ زندانی ادب سے جبر وتشدد کے رشتہ کو بیان کرنے سے قبل جبر کے مفہوم کی وضاحت ضروری ہے۔ جبر عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ظلم وزیادتی کے ہیں۔ اور تشدد بھی عربی لفظ شد سے مشتق ہے۔ اس کے لغوی معنی سختی کے ہیں۔ لیکن اس لفظ کا استعمال بھی ظلم وزیادتی کے معنی میں کیا جاتا ہے۔ قاموس مترادفات میں جبر کے معنی کچھ اس طرح بیان کئے گئے ہیں: دبا، زبردستی، ظلم وستم، جوروجفا، سختی، سخت گیری۔۱۸؎ یہ سب جبر کے مختلف مفہوم ہیں۔ جب کہ نورالغات میں جبر کے معنی یہ بتائے گئے ہیں: ظلم وستم، دبا، جوروجفا۔۱۹؎

جبر کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً ریاستی جبر، جنسی جبر، مذہبی جبر، ادبی جبر، سماجی جبر، سیاسی جبر۔ لیکن عام طور سے زندانی ادب کا تعلق ریاستی اور سیاسی جبر سے ہوتا ہے۔ جب کوئی ادیب یا فن کار حکومت وقت کے خلاف احتجاج و مزاحمت کرتا ہے یا اس کی تحریروں میں باغیانہ واحتجاجی جذبوں کا اظہار ہوتا ہے۔ یا پھر وہ حکومت کے وضع کردہ کسی قانون یا پالیسی کو ماننے سے انکار کر دیتا ہے تو اس صورت میں اس ادیب یا فن کار کو حکومت وقت قید وبند کی سزا دے کر داخل زنداں کر دیتی ہے۔ اور جب یہ ادیب اسیری کی حالت میں بھی ظلم وجبر کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار اپنی تحریروں میں کرتا رہتا ہے۔ اس طرح جبر وتشدد کا رشتہ زندانی ادب سے استوار ہو جاتا ہے ۔

اس کی مثال شاعر حبیب جالب کی ہے۔ انہوں نے جنرل ایوب کے وضع کردہ دستور (۱۹۶۲ء) کے خلاف ایک نظم 'دستور' کہی تھی۔ جس کی وجہ سے ان کو قید وبند کی سزا دی گئی تھی۔ ظلم وجبر اور تشدد کو ایک عام آدمی تو خوف و مصلحت کی وجہ سے برداشت کر لیتا ہے۔ لیکن ایک ادیب وفن کار اس کو گوارہ نہیں کر پاتا اور اس جبر وتشدد کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ قید کر لیا جاتا ہے۔ جبر وتشدد، خوف ودہشت کے ماحول میں جو ادب تخلیق کیا جاتا ہے۔ اس میں احتجاج ومزاحمت کا رنگ تو زندانی ادب کی طرح بہت بلند ہوتا ہے۔ مگر علامت اور اشاروں کے بکثرت استعمال کی وجہ سے وہ زندانی ادب سے مختلف ہو جاتا ہے۔ زندانی ادب سے بہت قریب کا رشتہ احتجاجی ادب کا ہے۔ مگر احتجاجی ادب کی تخلیق چوں کہ عام ماحول اور آزادی کی حالت میں ہوتی ہے اس لئے وہ زندانی ادب سے مختلف ہوتا ہے۔ چوں کہ ادیب اپنے سماج ومعاشرہ کا حساس اور ذہین فرد ہوتا ہے۔ اسی لئے وہ کسی بھی طرح کے نظام جبر کو برداشت نہیں کر پاتا ہے۔ اور مروجہ نظام جبر کے خلاف وہ صدائے احتجاج بلند کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں اس کو قید وبند کی سزا دی جاتی ہے۔

قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد جو ادب منظر عام پر آیا وہ انقلابات کا پیش خیمہ ثابت ہوا اور انقلابی ادب نے معاشرے کے لوگوں کی سوچ کو نیا دھارا دیا۔ انقلابی ادب وہ ادب ہے جو سماج کی بناوٹ کو تنقید کا نشانہ بنائے اور اس میں اساسی تبدیلیاں پیدا کرنے کی ضرورت کو واضح کرے یہ ادب موجودہ نظام کے مختلف

پہلوؤں اور گونا گوں تباہ کاریاں کو معرض بحث میں لا کر اس نظام کی ناقص بنیادوں کو بے نقاب کرتا ہے اور انسانی زندگی کو ایک نئے اور بہتر نظام کے قالب میں ڈھالنے کی اہمیت بتاتا ہے۔ یہ ادب تعمیری بھی ہوتا ہے اور تخریبی بھی۔تعمیری اس لئے کہ جن خطوط پر مستقبل کی تعمیر ہونی چاہیے،ان کو بین السطور واضح کرتا ہے۔تخریبی اس لئے کہ وہ حال کی بنیادوں کو ڈھا دینا چاہتا ہے۔انقلابی ادیب کا کام صرف عوام یعنی مزدوروں اور دوسرے محنت کش طبقوں کی زندگی کو پیش کرنا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ انقلابی ادیب سماج کے مختلف طبقوں کی زندگی کو اپنے ادب کا موضوع بنا سکتا ہے اور بنا تا بھی ہے۔مگر جو چیز اس کے ادب کو اصلاحی ادب سے ممتاز کرتی ہے وہ اس کا نقطہ نظر ہے۔ وہ ہر طبقے کی زندگی اور اس زندگی کے ہر پہلو کا مطالعہ عوامی نقطۂ نظر سے کرتا ہے۔سید عبدالباری ادب اور معاشرے کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''ادب معاشرہ کے افراد کے اظہار وابلاغ کا وسیلہ ہے۔اٹھارویں صدی میں ڈی بونالڈ نے ادب اور معاشرہ کے تعلق پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے اپنا یہ مشہور قول پیش کیا تھا کہ ادب معاشرہ کا وسیلہ اظہار ہے۔ (Literature is the expression of society.)''[۲۰]

جب ہم سماج پر نگاہ ڈالیں تو سماج میں طبقاتی تقسیم نظر آتی ہے۔سماج میں دو طبقات نمایاں ہیں ایک تو طبقہ امراجن کی زندگی عیش وآرام پر مبنی ہے دوسرا طبقہ پسی ہوئی،کچلی ہوئی عوام ہے۔ان کی زندگی میں آسائش اور تعیش کا کوئی رنگ نہیں ہوتا۔مشرقی ادب میں زندانی ادب کا تصور زمانہ قدیم سے موجود ہے۔فرد،معاشرہ،اقتدار اور زنداں کا وجود انسانی ارتقا کے ساتھ ساتھ مضبوط و مستحکم ہوتا گیا۔معاشرہ میں راج کرنے کی خواہش نے جرم وسزا ،قید وبند کے تصور کو جنم دیا۔حکمرانوں نے جب معاشرہ میں رہنے والوں کے لیے سزائیں تجویز کیں تو زنداں خانوں کی تعمیر عمل میں آئی۔زنداں خانوں میں قیدیوں نے اپنے تخیل،تفکر اور عملی زندگی کو جب صفحہ قرطاس پر منتقل کیا تو زندانی ادب وجود میں آیا۔زندانی ادب کی اہمیت اپنی جگہ پر ہے کیوں کہ زنداں میں تخلیق ہونے والا ادب ہمارے لیے بیش قیمت سرمایہ سے کم نہیں۔

حکمران طبقہ کے خلاف آواز اٹھانے والے ادیبوں کو قید وبند کی سزا دینے کی روایت بھی بہت پرانی ہے۔زندانی ادب کے مفہوم میں محض وہ تخلیقات شامل نہیں ہیں جن کی تخلیق پسِ دیوارِ زنداں ہوئی ہو بلکہ اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے ایسے تمام فن پاروں کا شمار زندانی ادب میں کیا جاتا ہے۔جن کی تخلیق جبر وتشدد،خوف و دہشت،زباں بندی،ایمرجنسی،مارشل لا و پابندیوں کے ماحول میں ہوئی ہو۔اسی لئے زندانی ادب کی فہرست میں غبار خاطر کا بھی شمار ہوتا ہے،جس کی تخلیق جیل میں ہوئی ہے اور جمیلہ ہاشمی کا ناول ''چہرہ بہ چہرہ روبہ رو'' کا شمار بھی زندانی ادب میں کیا جاتا ہے،گرچہ اس کی تخلیق جیل کے باہر پابندیوں کے زیر اثر ہوئی ہے۔زندانی ادب کے نمایاں پہلوؤں میں تاریخی پہلو،سماجی وثقافتی پہلو اور نفسیاتی پہلو شامل ہیں۔

جب سے کائنات معرضِ وجود میں آئی ہے۔ بغاوت ومزاحمت کی بے شمار مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ سقراط کو سچ کی تعلیمات کا پرچار کرنے کی وجہ سے زہر کا پیالہ پینا پڑا،منصور بن حلاج کا انا الحق کا نعرہ لگاتے ہوئے تختہ دار پر لٹک جانا یہ سب واقعات زندانی ادب کے ابتدائی نقوش ہیں۔ان واقعات سے زندانی ادب کی داغ بیل پڑی۔مزاحمتی رویوں نے زندانی ادب کو مزید مستحکم کیا۔فن کار کا اپنے معاشرے کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہوتا ہے اس لئے سماج میں ہونے والے جبر وتشدد، ریاستی نظام کے کالے قوانین، مذہبی شدت پسندی، سماجی واقتصادی عدم مساوات، جبر وتشدد پر مبنی روایات کے خلاف اپنے قلم کے ذریعے احتجاج کرتا ہے۔ چوں کہ فن کار عام لوگوں کی نسبت زیادہ حساس طبع ہوتے ہیں۔اس لیے عام لوگوں کی نسبت فن کاروں میں مزاحمت وبغاوت کے عناصر زیادہ ہوتے ہیں۔ان فن کاروں کو باغیانہ اور احتجاجی رویہ اپنانے کی پاداش میں قید وبند کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں۔ان کی تخلیقات کو ضبط کرنے کے احکامات صادر کیئے گئے۔ظلم وجبر کی روایات کے ساتھ ساتھ مزاحمت وبغاوت کا جذبہ بھی وقت وحالات کے دوش بدوش مستحکم وتوانا ہورہا ہے۔جب جب ظلم حد سے بڑھتا ہے تو اس ظلم کو ختم کرنے کے لئے کسی مسیحا کا جنم ضرور ہوتا ہے۔ڈاکٹر محمد حسن زندانی ادب کے تصور اور مزاحمتی رویوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ’’شاعر احتجاج اور ناآسودگی کی سب سے تاریخ ساز آواز وہ تھی جو روسو کے معاہدہ عمرانی کا سرنامہ بنی۔انسان آزاد پیدا ہوا ہے مگر جہاں دیکھو وہ پابہ زنجیر ہے۔اس آواز نے کلاسیکیت کی وضع کی ہوئی ساری زنجیروں کو توڑ کر تخیل اور جذبہ کی شہپروں پر اڑنے والی نئی رومانیت کے دور کا آغاز کیا۔یا پھر شاعر وہ آواز تھی جس نے مارکس کے لفظوں میں یہ اعلان کیا تھا کہ اب تک تاریخ ہمیں صرف یہ بتاتی رہی ہے کہ سماج کیا ہے سوال یہ نہیں ہے کہ سماج کیا ہے سوال یہ ہے کہ اسے کیسے بدلا جائے۔‘‘[۲۱]

زندانی ادب کی تخلیق میں سماجی وثقافتی سیاق وسباق اہم کردار ادا کرتے ہیں۔سماج اور ثقافت کا زندانی ادب کے ساتھ اٹوٹ رشتہ ہے۔سماج انسانوں کے مل جل کر رہنے سے تشکیل پاتا ہے۔اس سماج میں کوئی انسان تنہا زندگی بسر نہیں کرسکتا نظامِ زندگی کو چلانے کے لیے اسے دوسرے انسانوں کے ساتھ باہمی روابط کی ضرورت ہوتی ہے۔سماج صرف افراد کے مجموعے کو نہیں کہتے بلکہ یہ رابطے کا ایسا نظام ہے۔جو افراد اور ان کی جماعت کے درمیان پایا جاتا ہے۔ڈبلیو-ایچ اوڈیم نے فرد اور معاشرہ کے تعلق اور سماج کی اہمیت وافادیت کے بارے میں لکھا ہے:

> ’’فرد معاشرہ کے باہر کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور معاشرہ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے افراد کو ایک رشتہ انسلاک میں مربوط رکھتا ہے۔اس کی مخصوص جغرافیائی حدود ہوتی ہیں جن کے اندر معاشرہ اپنی کارفرمایوں سے افراد کے لیے افکار واقدار سے لے کر عمل وتعامل تک مختلف نوعیتیں فراہم کرتا ہے۔جو مختلف ذیلی ساختوں میں اس کے لیے معاشرتی نظام فراہم کرتے ہیں۔یہ ذیلی ساخت

خاندان، تعلیم، سیاست، مذہب، اقتصاد اور تفریح سے متعلق ہوتی ہے۔ جو فرد اپنے ذہنی عمل اور روابطی مظاہر کے حدود میں کرتا ہے۔''۲۲

زنداں میں زندگی کے شب و روز بسر کرنا کوئی آسان کام نہیں، زنداں میں زندگی بسر کرنے کا مطلب قربانی دینا ہوتا ہے۔ادیب زنداں میں زندگی بسر کر کے ایک طرح کی قربانی دیتا ہے۔زندانی ادب کا تعلق سماج سے اس لئے مستحکم ہوتا ہے کہ وہی ادیب داخل زنداں کیا جاتا ہے۔جس کا رشتہ سماج اور معاشرے سے بہت گہرا ہوتا ہے۔زندانی ادیبوں کا سماجی شعور اور معاشرہ کے تئیں اس کی فعالیت اور حساسیت بہت بالیدہ ہوتی ہے۔اسی وجہ سے ان کی تحریروں میں احتجاج اور مزاحمت کی لے اتنی تیز ہوتی ہے کہ حکومت وقت ان کو قید و بند کی سزا دیتی ہے۔اس طرح سماج و معاشرہ سے ایک زندانی ادیب کا رشتہ کسی نہ کسی صورت میں ضرور قائم رہتا ہے۔زندانی ادب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی تخلیق کا محرک اور سبب سماجی وابستگی ہی ہے۔سماج اور معاشرہ کے لئے ایک ادیب کی عزم ہی زندانی ادب کی تخلیق کا محرک ہے۔زندانی ادیبوں کا سماجی و معاشرتی عزم بہت مستحکم ہوتا ہے۔اسی وجہ سے یہ لوگ اسٹیبلیشمنٹ کے خلاف مزاحمت اور عملی احتجاج کی تحریکات کا حصہ بن جاتے ہیں۔جس کے نتیجہ میں قید و بند کی آزمائشوں سے دوچار ہوتے ہیں۔مختلف مفکرین نے ادب کی تشریح اور تعبیر مختلف تصورات و نظریات کے تحت کی ہے۔کسی نے ادب برائے ادب کا تصور پیش کیا ہے تو کسی نے ادب برائے زندگی کا۔ابوالاعجاز حفیظ صدیقی ادب کے کام کی وضاحت کچھ اس طرح سے کرتے ہیں:

''ادب کا اولین کام یہ ہے کہ وہ زندگی کے بارے میں ہماری آگہی میں اضافہ کرے۔یعنی ہمیں اپنی ذات اور اپنے ماحول کو سمجھنے میں معاون ثابت ہو۔چناں چہ کسی نہ کسی شکل میں سماجی زندگی سے اعتنا ادب کے لئے لازم ہے تو اس صورت میں اگر ادب سے زندگی کے حسن کو نکھارنے، اس کے معائب کو دور کرنے اور ایک بہتر زندگی کے لئے جدوجہد کرنے کی توقع کی جائے تو یہ کوئی بے جا توقع نہیں اور یہی ادب برائے زندگی کا نظریہ ہے۔''۲۳

سماج و معاشرہ کا سب سے اہم فیصلہ ریاست یا حکومت ہے معاشرہ اور ملک کو پرامن رکھنے کے لئے حکومتیں اور دستور کا نفاذ کرتی ہیں۔حکومت کے وضع کردہ دستور کو ماننا سبھی باشندوں پر فرض ہوتا ہے۔جو شخص ان کی خلاف ورزی کرتا ہے یا حکومت کی پالیسیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے تو اس کو سزا کے طور پر زندان میں ڈال دیا جاتا ہے۔زندان کا تعلق سماج سے زیادہ ریاست سے ہوتا ہے۔زنداں کا قیام حکومت کے ساتھ ہی عمل میں آیا تھا۔زنداں اور حکومت ہم عمر ہیں۔اہل حکومت نے ہمیشہ سے اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لئے زنداں کا بطور ہتھیار استعمال کیا ہے، لیکن حق پرستوں نے ظلم و جبر اور قید و بند کی پرواہ کئے بغیر ظالم حاکموں کے سامنے اظہارِ حق کیا ہے اور قید خانوں میں اپنی زندگی کے اہم سال گزارے ہیں۔

حریت اور جذبہ آزادی انسانی فطرت ہے اور یہ جذبہ ادیبوں اور فن کاروں میں زیادہ ہوتا ہے اسی وجہ سے وہ ظلم و جبر کو گوارا نہیں کر پاتے اور حکومت کے خلاف احتجاج اور بغاوت کا اعلان کر دیتے ہیں۔زندانی نگارشات کا معاشرہ وسماج کے ساتھ بظاہر کوئی رشتہ معلوم نہیں ہوتا کیوں کہ زندانی نگارشات کی تخلیق جیل کی کال کوٹھڑیوں میں ہوتی ہے۔اس وقت ادیب کا تعلق خارجی دنیا سے منقطع ہو چکا ہوتا ہے۔وہ سماج ومعاشرہ سے الگ زنداں کی کوٹھڑیوں میں قید ہو کر جو ادب تخلیق کرتا ہے اس کے محرکات اور پس منظر کو بالکل نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔انسان کا ظلم و جبر کے خلاف آواز بلند کرنا،سیاسی وسماجی موجودہ صورتحال سے مطمئن نہ ہونا اور بغاوت کر دینا ان سب کے نتائج اسے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے کی صورت میں ملتے ہیں۔معاشرہ ہی ان سب کے پیچھے محرک ہوتا ہے۔ادیب معاشرے میں ہونے والے ظلم و جبر کو ختم کر کے ایک مثالی ریاست کے خواہاں ہوتے ہیں وہ موجودہ بدترین صورت حال کے خلاف مزاحمت واحتجاج کرتے ہیں۔سماج سے وابستہ تمام عوامل زندانی ادب میں موجود ہوتے ہیں۔صرف ان کو دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ زندانی ادب سماج کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔قیدی ادبا ہر وقت سماج ومعاشرہ کی اصلاح کے بارے میں سوچتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا رشتہ سماج سے بہت مضبوط ہوتا ہے چوں کہ ادبا حساس طبع ہوتے ہیں اس لئے ان کے ذہن ودماغ اور قوت تخیل میں معاشرتی اصلاح کا جذبہ طاری رہتا ہے۔زنداں میں ادیب کے معاشرتی وسماجی شعور میں ہونے والے ارتقا سے اس کی قوت احساس بڑھ جاتی ہے وہ ماضی میں کھویا رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ معاشرے سے وابستہ رہتا۔حکومت اور ریاست ادیبوں کے جسم کو قید کر سکتے ہیں ان کے ذہن اور سوچنے پر پہرے نہیں بٹھائے جا سکتے۔لہٰذا وہ ذہنی وفکری لحاظ سے آزاد وخود مختار ہونے کی وجہ سے سماجی ومعاشرتی عکاسی کی نمائندگی کرنے والی تخلیقات کو منظر عام پر لاتے ہیں۔زندانی ادب میں سیاسی،سماجی وثقافتی شعور کی ترجمانی ہوتی ہے۔

اردو کا زندانی ادب سماجی وثقافتی پہلوں کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔زندانی ادب ہمیشہ سے معاشرت وثقافت کا ترجمان رہا ہے۔زندانی ادب کی تشکیل میں بغاوت،مزاحمت اور احتجاج لازمی عناصر ہیں۔اس لیے سماجی وثقافتی اظہار کے اعتبار سے زندانی ادب کو عوامی ادب کہا جاتا ہے۔زندانی ادب میں حکومت کی مخالفت اور احتجاجی رویے کو بیان کر کے ظالم و جابر حکمرانوں کی مخالفت کی گئی ہے۔اس کی بہترین مثال مولانا جعفر تھانیسر کی تصنیف 'کالا پانی' ہے۔یہ کتاب انہوں نے زنداں میں تحریر کی۔اس تصنیف کو اولین زندانی ادب کا درجہ ملا ہے۔اسی طرح مولانا آزاد کی 'غبار خاطر' میں پورے ہندوستان کی سماجی وثقافتی قدروں کو پیش کیا ہے اور ایک نئے اسلوب کی طرح ڈالی ہے۔

زنداں میں شب وروز بسر کرنا ایک کٹھن کام ہے۔جیل کی سلاخوں کے پیچھے تنہائی میں زندگی گزارنا صرف الجھنوں اور پریشانیوں میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ نفسیاتی اعتبار سے بھی بہت متاثر کرتا ہے۔زنداں میں سماج،معاشرہ اور عام انسانوں سے رابطہ نہیں رہتا۔جیل خانہ کی زندگی بڑی عجیب ہوتی ہے۔جیل کی بلند دیواریں،ان دیواروں کے

اندر بارکیں، تنہائی کی کوٹھریاں، جیل کا بے رنگ ماحول، پھانسی گارڈ اور جیل کے نظم وضبط کو برقرار رکھنے کے لیے سٹاف تعینات ہوتا ہے۔ اس سٹاف میں جیلر، ڈپٹی جیلر، وارڈن، ہیڈ وارڈن اور جمعدار وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ قیدیوں کے زیور میں ہتھکڑی، الٹی ہتھکڑی اور آڑا بیڑا کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ قدم قدم پر گنتی اور پریڈ، سونے کے لیے پلنگ کی بجائے کھڈیاں، بچھانے کے لئے مونج کے پھٹے وغیرہ زندانیوں کو نفسیاتی طور پر پریشان کرتے ہیں۔ سید تقی علی جیل میں رکھے جانے والے افراد کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''جیل میں عام طور پر تین قسم کے آدمی رکھے جاتے ہیں۔ قیدی، نظر بند، حوالاتی۔ قیدی سے مراد وہ اشخاص ہیں جن کو کسی عدالت سے سزا دی جا چکی ہے۔ اس کے بعد ان کی اپیل اوپر کی عدالتو ں میں جاری ہو یا جاری نہ ہو۔ نظر بند سے مراد عام طور پر سیاسی نظر بند لئے جاتے ہیں ان کو حتی الامکان قیدیوں سے ملنے نہیں دیا جاتا بلکہ بعض صورتوں میں تو ان سے بات کرنے والا قیدی بات کرنے کی سزا پاتا ہے۔ حوالاتی سے مراد وہ اشخاص ہوتے ہیں جو کسی الزام میں ماخوذ ہوں۔ یہ لوگ عدالت سے سزایاب ہونے، بری ہونے یا ضمانت پر رہا ہونے تک جیل میں رکھے جاتے ہیں۔''۲۴

جیل میں قیدیوں کو تنہائیوں کی اذیت سہنا پڑتی ہے وہ جیل میں لگے درختوں پر بیٹھے پرندوں کو دیکھ کر اپنی تنہائی کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیوں کہ قید میں یہی ان کے رفقا کا کردار ادا کرتے ہیں۔ زنداں کے اجنبی ماحول میں صرف ان سے ہی اپنائیت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ قیدیوں کے لیے ملاقات کا لفظ بہت کشش رکھتا ہے۔ جب قیدی کو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اس سے ملنے آیا ہے تو وہ آزاد انسان سے ملاقات کر کے اپنے تخیل میں آزادی کو محسوس کرتا ہے۔ فیض احمد فیض نے ایک قیدی کی نفسیاتی حالت کو یوں بیان کیا ہے:

''جیل خانہ عاشقی کی طرح خود ایک بنیادی تجربہ ہے، جس میں فکر ونظر کا ایک آدھ نیا دریچہ خود بخود کھل جاتا ہے۔ چنانچہ اول تو یہ ہے کہ ابتدائے شباب کی طرح تمام حسیات یعنی (SENSATIONS) پھر تیز ہو جاتی ہیں اور صبح کی پو، شام کے دھندلکے، آسمان کی نیلاہٹ، ہوا کے گداز کے بارے میں وہی پہلا سا تحیر لوٹ آتا ہے۔ دوسرے یوں ہوتا ہے کہ باہر کی دنیا کا وقت اور فاصلے دونوں باطل ہو جاتے ہیں۔ نزدیک کی چیزیں بہت دور ہو جاتی ہیں اور دور کی نزدیک اور فردا و دوری کا تفرقہ کچھ اس طور سے مٹ جاتا ہے کہ کبھی ایک لمحہ قیامت معلوم ہوتا ہے اور کبھی ایک صدی کل کی بات۔''۲۵

دوران قید ادیبوں کی ذہنی اور نفسیاتی کیفیت ان کے فن پاروں میں منعکس ہوتی ہے۔ ادیب اپنے تخیل کی مدد

سے سماج سے اپنا تعلق قائم کرتا ہے اور اپنے من کی آواز سن کر اسے ادب کے قالب میں ڈھالتا ہے۔اس کے من کی دنیا سماج کے عکس کو زندانی ادب میں منتقل کر دیتی ہے۔زندانی ادب سے متعلقہ تحریروں کو اردو ادب میں بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔رودادِ اسیری،قید و بند کے مصائب، بندی خانے،زنداں نامے سب ایک ہی سلسلے کی کڑی ہیں اور ایک ہی کیفیت کی نشاندہی کرتے ہیں۔

اردو زبان کی داستانوں میں زنداں کا تصور اور قید و بند کا بہت تذکرہ ملتا ہے۔اکثر داستانوں کے ہیرو یا ہیروئن کو جادوگر زنداں میں قید کر دیتا ہے پھر ساری داستاں زنداں سے رہائی کی کوششوں کے اردگرد گھومتی ہے۔ داستانوں کے علاوہ زنداں میں آپ بیتیاں بھی تخلیق کی گئیں۔ادیبوں نے اپنی اسیری کی داستاں قلم بند کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اوپر ہونے والے مظالم کی منظر کشی بھی آپ بیتیوں میں کی ہے۔اپنی ذات سے زیادہ ادیبوں کو اپنے ملک کی فکر لاحق ہوتی ہے۔یہ زندہ ضمیر اور حساس طبع لوگ جیل کی سلاخوں کے پیچھے دوسرے قیدیوں کا بھی سنجیدگی سے مشاہدہ کر کے صفحہ قرطاس پر منتقل کرتے ہیں۔زنداں میں قیدی ادیب نہ صرف اپنی اسیری کی داستاں بلکہ زنداں کے در و دیوار، چرند پرند، درخت، دیگر قیدی، جیل کا عملہ اور سماج کی کڑوی سچائیوں کو منظر عام پر لا کر شاہکار زندانی ادب تخلیق کرتے ہیں۔فیض اپنی اور دیگر زندانی ادیبوں کی کیفیت کو بیان کرتے ہیں:

متاع لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے
کہ خونِ دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے
زباں پہ مہر لگی ہے تو کیا کہ رکھ دی ہے
ہر ایک حلقہ زنجیر میں زباں میں نے[۲۶]

کائنات کے معرض وجود میں آنے کے ساتھ ہی جرم و سزا کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔تاریخ کے اوراق پر نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ نبیوں اور پیغمبروں کو بھی حق بات کہنے پر زنداں میں شب و روز بسر کرنے پڑے۔حضرت یوسفؑ نے زلیخا کی دعوت گناہ کو رد کیا تو انہیں زنداں میں ڈال دیا گیا۔مولانا اسلم شیخوپوری اس کے بارے میں لکھتے ہیں: ''عزیز مصر نے بدنامی سے بچنے کے لیے آپ کو جیل میں ڈلوادیا۔قید خانہ میں بھی آپ نے دعوت توحید کا سلسلہ جاری رکھا۔جس کی وجہ سے قیدی آپ کی عزت کرتے تھے۔''[۲۷]

حضرت محمدﷺ کی دعوت و تبلیغ سے قریش مکہ نہایت پریشان اور مضطرب تھے۔وہ آپﷺ کے بہت خلاف تھے۔وہ کئی مرتبہ آپﷺ کو قتل کرنے کے اقدامات کر چکے تھے۔لیکن وہ سمجھتے تھے کہ ایسا کرنے سے مکہ کی وادی خون سے لالہ زار بن جائے گی۔انہوں نے قتل کا ارادہ ملتوی کر کے ظلم کی نئی راہ سوچی۔حکیم محمود احمد ظفر لکھتے ہیں:

> ''وہ ظالمانہ کاروائی آپؐ کا سوشل بائیکاٹ تھا۔قریش نے متفقہ طور ایک تحریر معاہدہ تیار کیا کہ جب تک بنو ہاشم اور بنو مطلب محمدﷺ کو قتل کی لئے ان کے حوالے نہ کر دیں ان دونوں خاندانوں

سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کر دیئے جائیں۔نہ کوئی شخص ان سے میل جول رکھے گا اوران کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرے گا۔ان کے پاس کھانے پینے کا سامان نہ جانے دے گا۔اس معاہدہ پر تمام قبائل قریش کے سربرآوردہ حضرات نے دستخط کیے اور اس کو خانہ کعبہ کی چھت سے آویزاں کر دیا گیا۔یہ دونوں خاندان مسلسل تین سال تک محبوس رہے۔یہ تین سال نہایت سنگین تھے۔''۲۸

اس معاہدہ کے بعد بنو ہاشم اور بنو مطلب کا مکمل بائیکاٹ شروع ہو گیا اور ابولہب کے سوا بنو ہاشم اور بنو مطلب کے تمام افراد خواہ وہ مسلمان تھے یا کافر سمٹ کر شعب بنو ہاشم (شعب ابی طالب) میں محبوس ہو گئے۔نظر بندی کے یہ تین سال بہت کٹھن تھے اس عرصہ میں درختوں کے پتے نگلے جاتے رہے۔سوکھے چمڑے ابال ابال کر اور آگ پر بھون کر پیٹ کی آگ کو بجھایا جاتا رہا۔یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ نظر بندی میں حضورﷺ اوران کے رفقا کو کس قدر اذیتیں جھیلنا پڑیں۔عثمان بن عفان تیسرے خلیفہ رسول تھے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہایت شریف النفس اور سخی انسان تھے۔ان کی طبعی شرافت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شر پسند عناصر نے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا شروع کر دیا جو بالآخران کی شہادت پر منتج ہوا۔پروفیسر حاجی فتح محمد اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''بلوائیوں نے سختی سے امیر المومنین عثمان کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔کہا جاتا ہے کہ کوفہ اور بصرہ کے بلوائی بھی مصریوں کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ابتدا میں بلوائیوں نے حضرت عثمان کو امامت کے فرائض انجام دینے سے نہ روکا بعد میں اس سے بھی روک دیا۔محاصرہ چالیس یوم جاری رہا۔''۲۹

واقعہ کربلا پر نگاہ ڈالیں تو روح لرز جاتی ہے۔میدانِ کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد ابن زیاد کے حکم پر حضرت علی علیہ السلام کی بیٹیوں اور نبی کی نواسیوں اور دیگر اہلِ بیت کو اندھیری کوٹھڑیوں میں بند کر دیا گیا۔جہاں ہوا کا کوئی انتظام نہ تھا۔انسانیت پر واقعہ کربلا کا داغ آج تک قائم ہے۔سید علی اکبر رضوی واقعہ کربلا کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

''ابن زیاد نے دربار برخواست کرتے ہوئے حکم دیا کہ اسیروں کو مسجدِ کوفہ کے پہلو میں جو قید خانہ ہے اس میں لے جا کر بند کر دیا جائے۔حسبِ حکم ابن زیاد جب علی علیہ السلام کی بیٹیوں و نبیؐ کی نواسیوں اور دیگر اہلِ بیت کو قید خانہ کی طرف لایا گیا۔اس وقت شہر کی گلیاں اور کوچے مردوں،عورتوں اور بچوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔اہلِ حرم کو قید خانہ میں ڈالنے کے بعد ابن زیاد نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کے سر مقدس کو نوکِ سناں پر بازاروں میں پھرایا جائے۔اس حکم کی تعمیل کے بعد سر اقدس کو دارالامارہ کے دروازہ پر نصب کیا گیا۔''۳۰

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد ان کے اہل خانہ کو ایک سال شام کے زنداں میں اسیر رکھا گیا۔ جہاں دوران اسیری حضرت امام حسین علیہ السلام کی چار سالہ بیٹی اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگئی۔ تاریخ اسلام پر نگاہ ڈالیں تو مشاہیر اسلام کی زندانی اذیتیں دکھائی دیتیں ہیں۔ امام ابوحنیفہ علم فقہ اور علم الکلام میں بہت ماہر تھے انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ خادم رسول ﷺ سے احادیث سنی تھیں اور دیگر تابعین کی صحبت سے مستفید ہوئے تھے۔ امام صاحب کے پیروکار ہندوستان اور وسط ایشیا میں پھیلے ہوئے ہیں انہوں نے کئی تصانیف مرتب کیں لیکن ان میں سے ایک بھی باقی نہیں۔ منصور عباسی کے دور میں حالتِ قید میں وفات پائی کیوں کہ امام صاحب نے عہدہ قضا کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور ساتھ ہی انہوں نے ابراہیم نفس ذکیہ کے خروج کے دوران عباسیوں کے خلاف اس کی حمایت کی تھی۔ حافظ ظفر اللہ شفیق امام صاحب کی قید اور وفات کو یوں بیان کرتے ہیں:

> ''منصور نے ۱۴۶ھ میں بغداد پہنچ کر امام ابوحنیفہ کے نام فرمان بھیجا کہ فوراً پائے تخت میں حاضر ہوں، منصور نے پہلے ہی ان کے قتل کا ارادہ کر لیا تھا لیکن بہانہ ڈھونڈ تا تھا۔ اور بہانہ عہدہ قضا قبول کرنے سے انکار بنا، حکم دیا کہ قید کر دیا جائے۔ قید خانہ میں بھی امام صاحب کا سلسلہ تعلیم برابر قائم رہا، منصور کو امام صاحب کی طرف سے جو اندیشہ تھا، وہ قید خانہ کی حالت میں بھی باقی رہا، جس کی آخری تدبیر یہ تھی کہ بے خبری میں ان کو زہر دلوا دیا۔ جب امام صاحب کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا اور اسی حالت میں وفات پائی۔''[۳۱]

امام اعظم ابوحنیفہ کو بھی قید و بند کی سختیاں برداشت کرنا پڑیں۔ ان کو بہت ظلم سہنا پڑے۔ ان کی قید کے بارے میں حکیم محمد طارق محمود رقم طراز ہیں:

> ''ابنِ ہیرہ امام کو تازیانے کی سزا دینے پر آمادہ ہو گیا۔ قید کر کے پندرہ دن تک ابن ہیرہ نے کوشش کی کہ یہ خدمت نہ سہی کوئی اور خدمت حکومت کی وہ قبول کر لیں۔ ابن ہیرہ کے حکم پر بیس کوڑے امام کے سر پر مسلسل لگائے گئے۔ امام کا سر کھلا ہوا تھا اور کوڑے تھے جو پے در پے اس سر پر پڑ رہے تھے جس میں خدا کی بڑائی کچھ اس طرح سما گئی تھی کہ مخلوق کی بڑائی کی گنجائش ہی اس میں باقی نہ رہی تھی۔''[۳۲]

امام احمد بن حنبل کو بھی قید و بند کی اذیتیں سہنا پڑیں۔ امام احمد بن حنبل کو واثق کے عہد میں بہت مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ گورنر اسحاق بن ابراہیم نے آپ کو شہر بدر ہونے کا پیغام بھجوایا۔ اس کے بارے میں ڈاکٹر محمد نغش مصری فرماتے ہیں: ''امام احمد بن حنبل اڑھائی سال تک قید و بند کی مصیبتیں جھیلتے رہے جب کہ مامون کے عہد سلطنت میں انہیں گرفتار کیا گیا اور بالآخر سن ۲۲۰ھ رمضان میں انہیں رہا کر دیا گیا۔''[۳۳]

امام مالک کو محمد نفیس ذکیہ کے خروج کے قصے میں لوگوں نے طلاق والی بیعت کا عذر جب پیش کیا تو امام مالک

نے یہ فتوی دیا کی یہ بیعت جبرالی گئی ہے اس لئے طلاق نہیں پڑے گی۔جعفر بن عباسی نے امام مالک پر الزام لگا کر عباسی حکومت کی بیعت کے متعلق کالعدم ہونے کے فتوی کو بغاوت قرار دیا۔امام مالک کو باغی قرار دیا۔حکیم محمد طارق لکھتے ہیں:

''کوڑے سے پیٹا بھی اور بیان کیا جاتا ہے کہ مونڈھے سے حضرت والا کے ہاتھ اتروائے گئے جس کی وجہ سے آخر عمر تک نہ ہاتھ پوری طرح اٹھا سکتے تھے، نہ بدن پر چادر اپنے دست مبارک سے درست کر سکتے تھے۔امام کو جیل بھیجنے کا حکم دیا۔کھانے پینے میں امام پر تنگی کی گئی اور قید و بند میں بھی سختی کی گئی۔کچھ عرصہ بعد جیل سے ایک مکان میں نظر بند کر دیا گیا۔ابو جعفر نے امام کو کوڑے لگائے عمر ستر کے قریب پہنچ چکی تھی۔ابو جعفر کی اس دار و گیر تشدد و جبر سے بیزار ہو کر امام صاحب رویا کرتے تھے۔''۳۴

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو ہارون الرشید نے چودہ سال تک زندان میں رکھا۔امام موسیٰ کاظم علایہ السلام کی روز بروز بڑھتی محبوبیت سے ہارون بہت پریشان تھا۔لوگوں کے دل امام کی طرف کھنچے چلے جا رہے تھے۔حسد کی بنا پر ہارون نے امام کو بصرے کے قید خانے میں قید کر دیا۔غیبت شیخ طوسی رقم طراز ہیں:

''امام علیہ اسلام ایک سال تک بصرہ میں عیسیٰ بن جعفر کے قید خانے میں رہے۔امام علیہ اسلام کے اخلاق و کردار کا عیسیٰ بن جعفر پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے ہارون کو خط لکھا کہ فوراً امام کو میرے پاس سے بلا لیا جائے ورنہ میں ان کو آزاد کر دوں گا۔ہارون کے حکم کے مطابق امام کو بصرہ سے بغداد منتقل کر دیا گیا اور یہاں انہیں فضل بن ربیع کے قید خانے میں رکھا گیا اور پھر کچھ ہی دنوں بعد امام علیہ اسلام کو فضل بن یحیی کے قید خانے میں منتقل کر دیا گیا''۳۵

امام علیہ اسلام کو اس قدر جلد ایک قید خانے سے دوسرے قید خانے میں منتقل کرنے کی اہم وجہ یہ تھی کہ ہارون کی خواہش پر کوئی داروغہ زندانی امام کے خون سے ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا تھا۔آخر کار ایک ضمیر فروش سندی بن شاہک نے ہارون کی بات مان کر امام کو زہر دے دیا۔اور امام کی شہادت سے قبل شہر کے معززین کو بلا لیا تا کہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ طبعی موت ہے اور کوئی سازش نہیں ہے۔امام شافعی کو یمن کے باغیوں کا ساتھ دینے کے جھوٹے الزام میں بغداد میں زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔اس بارے میں سید احمد جعفری رقم طراز ہیں:

''یمن میں امام شافعی کا بڑا اثر تھا۔مطرب جو ایک عامل کی حیثیت رکھتا تھا اس نے بصیغہ راز ہارون الرشید کو ایک عریضہ لکھا کہ اگر آپ یمن کی خیر چاہتے ہیں تو محمد بن ادریس شافعی کو انکا لئے اور سزا دیجیے۔یہ خط جب ہارون الرشید کو پہنچا تو وہ آپے سے باہر ہو گیا اور محمد بن ادریس الشافعی اور تمام سادات کو گرفتار کر کے فوراً دارالخلافہ بھیجنے کا حکم دیا۔''۳۶

امام شافعی کے اس واقعہ کو ڈاکٹر اختر حسین عزمی نے یوں بیان کیا ہے:

''خلیفہ ہارون الرشید کا حکم ملتے ہی عامل مکہ حماد بربری نے تین سو سادات قریش کو گرفتار کر کے انہیں زنجیریں پہنا دیں۔ان تین سو اشخاص میں وہ نو افراد بھی شامل تھے جنہیں والئی یمن نے اپنے خط میں تحریک کا بانی قرار دیا تھا۔دسویں امام شافعی تھے۔''۳۷

جب خلیفہ وقت ہارون الرشید کی امام صاحب سے بالمشافہ ملاقات ہوئی تو وہ ان کی تعلیمات سے متاثر ہوئے اور انہیں رہا کر دیا۔منصور بن حلاج کو بھی اپنی تعلیمات کی وجہ سے زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے۔تصوف کے موضوع پر ان کی پہلی قابل ذکر تصنیف قواسین ہے۔منصور بن حلاج کے بارے میں سید عابد حسین بیان کرتے ہیں:

''نظری تصوف انسانی فکر کی سب سے نازک اور کٹھن راہ ہے۔صوفی کے لئے ان سیمابی کیفیات کو جو اس کے قلب پر آنا فانا گزر جاتی ہیں۔تصورات کے جال میں جکڑنا اس سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔جتنا کیمیا گر کے لئے پارے کو قائم کرنا اور پھر اس سے بھی زیادہ دشوار ان تصورات کو الفاظ میں ظاہر کرنا ہے۔منصور نے خدا اور انسان کے تعلق کو جس ان گھڑ پیرائے میں ادا کیا وہ عام طور پر قرآن کی تعلیم کے خلاف سمجھا گیا اور متشدد فقہا کی تحریک سے منصور کو تخریبِ دین کے الزام میں سولی دے دی گئی۔''۳۸

حضرت حسین بن منصور حلاج صوفی اور مصنف تھے لیکن عالم اسلام کی متنازعہ شخصیت تھے انا الحق اور عینا الحق کے تنازعہ کی وجہ سے انہیں آٹھ سال اسیر رکھا گیا بعد میں پھانسی دے دی گئی۔سقراط پر ایتھنز کے لوگوں نے یہ الزام لگایا کہ اس نے نوجوان نسل کے اخلاق کو بگاڑا تھا۔اس سے مراد ہے اس سے بے اطمینانی کو جو نئی نسل کو موجودہ مذہبی،تمدنی اور سیاسی نظام سے پیدا ہو گئی تھی اپنی تنقید پسندی اور حق جوئی سے مزید شہ دی تھی۔سقراط کے قریبی حلقہ احباب کے لوگ بھی اس کے خلاف ہو چکے تھے۔سقراط کو سزائے موت سنائی گئی۔سقراط کی موت کے بارے میں سید عابد حسین لکھتے ہیں:

''ایتھنز کے دستور کے مطابق سقراط کو موقع دی گیا کہ جیوری کی تجویز کی ہوئی سزا سے موت کے مقابلے میں اپنے لئے کوئی اور سزا تجویز کر لے۔اگر سقراط یہ کہتا کہ موت کی بجائے اسے جلا وطنی کی سزا دی جائے تو جیوری اسے یقیناً منظور کر لیتی۔''۳۹

سقراط کے دولت منداور بااثر شاگرد نے جیل خانے کے محافظوں کو رشوت دے کر اسے قید سے باہر نکالنے کا ارادہ کیا تو سقراط نے منع کر دیا۔سقراط نے زنداں میں رہ کر یہ ثابت کیا کہ وہ جابر حکمرانوں کے سامنے سرنگوں نہیں کرے گا اور مر کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے امر ہو جائے گا۔بالکل ویسا ہی ہوا سقراط آج تک زندہ ہے کیوں کہ سقراط نے ثابت کیا کہ ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے مرنا ضروری تھا۔

تاریخ انسانی میں ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جب حق کی آواز بلند کرنے والوں کو تختہ دار نصیب ہوا۔ لیکن حق کی آواز بلند کرنے والوں کو کوئی دبا نہ سکا۔ پرانے زمانے میں یہ خیال تھا کہ مجرموں کو جیل خانہ جات میں صرف سزا دینے اور دوسروں کو عبرت دلانے کی خاطر رکھا جاتا ہے۔ مگر اب مہذب ممالک میں حکومتی سطح پر قیدیوں کی اصلاح کے اقدامات کیے جاتے ہیں۔ بعض لوگ صرف یہ سوچ کر چوری کرتے ہیں کہ انہیں جیل میں مفت کھانا اور رہائش ملے گی کیوں کہ ان کے پاس روزگار نہیں ہوتا۔ جب ایسے لوگ جیل جاتے ہیں تو انہیں وہاں مختلف قسم کے ہنر سکھائے جاتے ہیں تاکہ یہ جیل سے باہر جا کر معاشرے پر بوجھ نہ بنیں۔ انہیں جیل میں چھپائی، خیمہ دوزی، بڑھئی یا لوہار کا کام، بیت سے اشیا بنانا اور دری بننا سکھایا جاتا ہے۔ لالہ جیارام جیل میں قیدیوں کے ساتھ ہونے والے سلوک کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''اگلے زمانے میں قیدیوں کے ساتھ نہایت جابرانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ چناں چہ کہا جاتا ہے کہ بعض جگہ جیل خانے جانا مرنے کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اب قیدیوں کی خوب نگہداشت کی جاتی ہے انہیں اچھی غذا کھانے کو ملتی ہے اور باقاعدہ ورزش کرائی جاتی ہے۔ وہ صبح ہوتے ہی اٹھتے ہیں کھانا کھاتے ہیں، سویرے سویرے کام کرتے ہیں، پھر آرام لے کر دوپہر کی خوراک کھاتے ہیں۔ تیسری دفعہ شام کی غذا ملتی ہے پھر رات کو بند کر دئے جاتے ہیں۔ جن کا رویہ اچھا ہوا اور محنت سے کام کریں انہیں اکثر اوقات قید کی پوری میعاد بھگتنے سے پہلے ہی رہا کر دیا جاتا ہے۔''[۳۰]

حکومت قیدیوں کے ساتھ ایسا سلوک اس لئے کرتی ہے کہ جیل سے باہر جا کر وہ محنت کرنے کے قابل ہو جائیں اور امن پسند بن کر اچھی زندگی گزار سکیں۔ جیل میں اچھے سلوک سے قیدیوں کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے۔ یعنی ان کی ذہنی و نفسیاتی تربیت بھی جیل میں ہوتی ہے۔

زندانی ادب کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ زنداں میں تخلیق ہونے والا ادب کسی سرمایہ سے کم نہیں اور ادب میں زندانی ادب کو اس کا جائز مقام و مرتبہ ملنا چاہیے کیوں کہ زندانی ادب کی بدولت ہی ہمیں ماضی کے شاہکار فن پارے میسر ہوئے ہیں۔ زندانی ادب ہمیشہ سے عوام کا ترجمان رہا ہے۔ کیوں کہ اس کے خمیر میں مزاحمت، بغاوت اور احتجاج شامل ہے۔ زندانی ادب میں سماجی و ثقافتی پہلوؤں کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے، اس لئے اسے عوامی ادب کہا جاتا ہے۔ زندانی ادب میں عوام کی اصلاح و تعمیر اور ترقی کا تصور پیش کیا گیا ہے۔ زندانی ادب کی خاص شناخت حکومت مخالفت اور احتجاجی رویے ہیں۔ زندانی ادب میں ظالم و جابر حکمرانوں کی مخالفت کو بیان کیا جاتا ہے۔

حواشی:

۱۔ خاور جمیل،ادب کلچر اور مسائل،(کراچی:رائل بک کمپنی،۱۹۸۶ء)ص۱۹
۲۔ سجاد باقر رضوی،تہذیب وتخلیق،(لاہور:مکتبہ ادب جدید،۱۹۶۶ء)ص۲
۳۔ نورالحسن ہاشمی،ادب کا مقصد،(ہندوستان کتاب گھر،۱۹۵۶ء)ص۱۳
۴۔ گورکھ پوری،مجنوں،ادب اور زندگی،(کراچی:مکتبہ دانیال،۱۹۴۹ء)ص۵۸
۵۔ وارث سرہندی،قاموس مترادفات،(لاہور:اردو سائنس بورڈ،۱۹۸۶ء)ص۵۳۳
۶۔ مولوی نورالحسن نیر،نورالغات(اول)،(اسلام آباد :نیشنل بک فاؤنڈیشن،۲۰۰۶ء)ص۱۳۸۵ء
۷۔ صائمہ علی،اردو نثر میں حبسیہ عناصر......ایک مطالعہ،مشمولہ:تحقیق نامہ،(لاہور:جی سی یونیورسٹی، جنوری۔جون۲۰۱۴ء)ص۱۲۷
۸۔ شوکت سبزواری،ڈاکٹر،معیار ادب،(کراچی:مکتبہ اسلوب،۱۹۶۱ء)ص۴۱
۹۔ ایضاً،ص۲۳
۱۰۔ اختر انصاری،افادی ادب،(بانکی پور:نیا سنسار کتاب گھر،۱۹۴۱ء) ص۲۵
۱۱۔ سید احمد دہلوی،مولوی،فرہنگ آصفیہ(جلد اول ودوم)،(لاہور:اردو سائنس بورڈ،۲۰۰۳ء)ص۴۱۴
۱۲۔ فیروز الدین،مولوی،فیروز الغات فارسی،(لاہور:فیروز سنز،۱۹۷۰ء)ص۵۴۷
۱۳۔ رفیق احمد ساقی،پروفیسر،سید امیر کھوکھر،جامع فارسی لغت،(جہلم:بک کارنر،۲۰۱۴ء)ص۳۴۲

14. www.wikipedia/American_prison_literature.
15. Encyclopedia Britannica university of Chicago, U.S.A, vol 17,15th Edition 1976
16. Encyclopedia of philosophy edited by G.H.R Parkinson, Routledge.U.K, 1988

۱۷۔ شوکت سبزواری،ڈاکٹر،معیار ادب،(کراچی:مکتبہ اسلوب،۱۹۶۱ء)ص۱۳
۱۸۔ وارث سرہندی،قاموس مترادفات،(لاہور:اردو سائنس بورڈ،۱۹۸۶ء)ص۴۵۹
۱۹۔ نورالحسن نیر،مولوی،نورالغات،(اسلام آباد:نیشنل بک فاؤنڈیشن،۲۰۰۶ء)ص۱۱۹۴
۲۰۔ عبدالباری،سید،ادب اور وابستگی(تنقیدی مقالات کا مجموعہ)،(فیض آباد:نشاط پریس،۱۹۸۵ء) ص۱۷
۲۱۔ محمد حسن،عصری ادب،شمارہ۲۹،۱۹۷۷ء،ص۲۸
۲۲۔ عبدالباری،ڈاکٹر،لکھنو کا شعروادب،(دہلی:الفلاح پبلی کیشنز،۱۹۹۴ء)ص۱۴

۲۳۔ ابوالاعجاز صدیقی، کشاف تنقیدی اصلاحات، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان اردو، ۱۹۸۵ء) ص۱۰

۲۴۔ نقی علی، سید، جیل خانہ، (لاہور: گوشہ ادب، ۱۹۵۴ء) ص۱۸

۲۵۔ فیض احمد فیض، دست تہ سنگ، (دہلی: ایجوکیشن پبلشنگ ہاس، ۲۰۰۹ء) ص۳۱۳۔۳۱۲

۲۶۔ فیض احمد فیض، زنداں نامہ، (لاہور: مکتبہ کارواں، س۔ن) ص۳۳

۲۷۔ محمد اسلم شیخو پوری، حضرت مولانا، خلاصۃ القرآن جدید، (لاہور: مکتبہ عائشہ س۔ن) ص۲۱۰

۲۸۔ محمود احمد ظفر، حکیم، پیغمبر امن، (لاہور: دارالکتب، ۲۰۰۹ء) ص۲۱۳

۲۹۔ حاجی فتح محمد نسیم، پروفیسر، شاہکار سخاوت عثمان ذوالنورین، (لاہور: مکتبہ جمال کرم، ۲۰۰۳ء) ص۸۴

۳۰۔ علی اکبر رضوی، سید، نواسہ نبی حسین ابن علی، (کراچی: جاوداں پبلی کیشنز رضویہ سوسائٹی، ۲۰۰۸ء) ص۳۹۹

۳۱۔ ظفر اللہ شفیق، حافظ، امام حسینؓ اور واقعہ کربلا، (لاہور: ادارہ صراط مستقیم، ۲۰۰۶ء) ص۲۴۱

۳۲۔ محمد طارق محمود، حکیم، جیلوں میں بیتے لمحات کی کہانی مشاہیر کی زبانی، (لاہور: عبقری سٹریٹ، ۲۰۱۳ء) ص۱۹

۳۳۔ محمد صادق خلیل، مولانا، امام اہل سنت احمد بن حنبل کا دور ابتلاء تہذیب و تحقیق، (لاہور: فالکن پریس، س۔ن) ص۲۶

۳۴۔ محمد طارق محمود، حکیم، جیلوں میں بیتے لمحات کی کہانی مشاہیر کی زبانی، ص۳۰

۳۵۔ امام موسیٰ کاظم، حضرت، تحریر مجلس مصنفین ادارہ راہِ حق قم ایران ترجمہ ادارہ نورِ اسلام، (کراچی: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۲ء) ص۲۶

۳۶۔ رئیس احمد جعفری، سید، سیرت آئمہ اربعین، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۵۵ء) ص۳۶۲

۳۷۔ اختر حسین عزمی، ڈاکٹر، فرزند حرم امام شافعی کے علمی سفر، (لاہور: منشورات، ۲۰۰۹ء) ص۱۴

۳۸۔ عابد حسین، ڈاکٹر، سید، ہندوستانی قومیت اور قومی تہذیب (جلد دوم)، (دہلی: مکتبہ جامعہ، ۱۹۴۶ء) ص۳۹۹

۳۹۔ عابد حسین، سید، مکالمات افلاطون، (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء) ص۲۳

۴۰۔ لالہ جیارام، خلیفہ عمادالدین، تاریخ ہندای مارسڈن، (لاہور: بک ہوم، ۲۰۰۶ء) ص۳۲۵